(۲۰)

(فرمودہ ۲۰- فروری ۱۹۳۱ء بمقام عید گاہ- قادیان)

انسانی اعمال کا دائرہ کسی زمانہ میں بہت وسیع ہوتا ہے اور کسی زمانہ میں بہت تنگ ہو جاتا ہے۔ یعنی بعض اوقات تو اگر انسان چاہے تو کئی قسم کے کاموں میں اپنے آپ کو مشغول کر سکتا ہے اور کبھی اس کا دائرہ عمل محدود ہو جاتا ہے اور وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ خاص قسم کے کام کی طرف ہی توجہ کرے یا اس کی طرف ضرور توجہ کرے۔ ہم دیکھتے ہیں ایک گھر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ گھر میں مرد' بیوی' بچے اور بعض دفعہ بعض اور رشتہ دار بھی ہوتے ہیں۔ مردوں میں سے کوئی باہر زراعت کرتا ہے' کوئی تجارت' کوئی صنعت و حرفت کا کوئی کام کرتا ہے' عورتیں گھر میں سینے پرونے کا کام کرتی ہیں' کھانا پکاتی ہیں' گھر کی صفائی کرتی ہیں' بچوں کو نہلاتی اور ان کے کپڑے وغیرہ دھوتی ہیں' سہیلیوں سے باتیں کرتی ہیں اور اگر کوئی پڑھی لکھی ہو تو وہ مطالعہ بھی کرتی ہے۔ بچوں میں سے بعض سکول جاتے ہیں جب وہاں سے آتے ہیں تو اپنی پڑھائی کرتے ہیں۔ چھوٹے بچے کھیل کود میں لگے رہتے ہیں۔ گویا گھر ایک ہوتا ہے مگر اس میں بسنے والے ہر ایک فرد کے مشاغل مختلف ہوتے ہیں۔ پھر ایک آدمی بھی مختلف اوقات میں مختلف کام کرتا ہے۔ کبھی کھاتا ہے' پیتا ہے' کبھی کماتا ہے' کبھی بیوی بچوں سے باتیں کرتا ہے' کبھی سوتا ہے لیکن یہی گھر جس کے مختلف افراد مختلف اوقات میں مختلف کاموں میں لگے ہوتے ہیں۔ اس کی مالکہ یا مالک اگر خطرناک طور پر بیمار ہو جائے تو اس میں رہنے والوں کے کاموں کی ساری تنویع یکدم بند ہو جاتی ہے۔ بیوی کی بیماری پر خاوند اگر زمیندار ہے تو زمیندارہ کام ملتوی کر دیتا ہے' اگر تاجر ہے تو دکان بند کر دیتا ہے' اگر ملازم ہے تو رخصت لے لیتا ہے اور اس کے سامنے صرف ایک شغل یہ رہ جاتا ہے کہ اپنی بیوی کی تیمارداری کرے۔ بچے اگر ماں بہت زیادہ بیمار نہیں تو مدرسے تو جاتے ہیں مگر کھیل کود کا وقت اس کی خبر گیری میں صرف کرتے ہیں۔ چھوٹے بچے گو کھیل کود میں تو مصروف رہتے ہیں مگر ان کی حرکات سے صاف پتہ لگ سکتا ہے کہ ان کا دل اس میں نہیں لگ رہا اور ان کی توجہ بار بار اپنی بیمار ماں کی طرف جاتی ہے۔ گویا

قریباً تمام افراد ایک ہی کام کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں اور باقی سب کام یا تو کُلّی طور پر نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں یا جُزئی طور پر۔ اسی طرح اگر خاوند بیمار ہو تو بیوی کو ہر وقت اسی کے علاج اور تیمار داری کی فکر رہتی ہے اور سب کام بند ہو جاتے ہیں۔ غرض انسان مختلف حالتوں میں مختلف کام کرتا ہے اور ان حالتوں کے مطابق کبھی تو اس کا حلقہ عمل وسیع ہوتا ہے اور کبھی محدود۔ بعض بے وقوف ایک ہی قسم کا کام ہمیشہ کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ باقی سب لوگ بھی وہی کام کریں حالانکہ یہ طریق قطعاً غلط ہے۔ پھر جس طرح افراد کے متعلق یہ بات ہے کہ وہ مختلف اوقات میں مختلف کام کرتے ہیں اسی طرح قوموں کے بھی مختلف اوقات کے مختلف کام ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک گھر میں کھانا کھانے بیٹھے تھے اُس وقت کچھ لوگوں نے جو ان کے مخالف تھے ان کے پاس آ کر کہا کیا سبب ہے کہ ہم اور فریسی تو روزے رکھتے ہیں مگر تمہارے شاگرد روزہ نہیں رکھتے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان سے کہا کیا براتی جب تک دولہا ان کے ساتھ ہے ماتم کر سکتے ہیں مگر وہ دن آئیں گے کہ دولہا ان سے جُدا کیا جائے گا اس وقت وہ روزہ رکھیں گے۔[۱]

اب دیکھو! روزے جیسی لطیف عبادت کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا بظاہر یہ ناموزوں معلوم ہوتا ہے مگر صحیح بات یہی ہے کہ بعض ایام روزہ چھوڑنے والے ہوتے ہیں اور یہ عید کا دن بھی ایسا ہی ہے جب روزہ رکھنا ناجائز ہے۔[۲] کیونکہ یہ دن مومن کے لئے وہی خوشی اپنے اندر رکھتا ہے جو خاوند کے گھر آنے پر ایک عورت کو ہوتی ہے۔ آج کے دن مومن یہ فرض کرتا ہے کہ میرا خدا میرے گھر آنے والا ہے۔ مومن اپنے فعل کو عبث قرار نہیں دیتا' وہ بے ایمان نہیں ہوتا' اسے خدا پر پورا پورا یقین ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے میں نے جو فاقے تیس دن (یا جو معذور تھا اس نے کم و بیش) خدا تعالیٰ کے لئے کئے ہیں ان کے نتیجہ میں میرا خدا مجھے مل گیا ہے۔[۳] گویا ان تیس ایام کی عبادت کے بعد وہ خدا تعالیٰ کے متعلق یقین کرتا ہے کہ وہ اسے مل گیا ہے اور جس طرح وہ عورت جس کا خاوند ایک عرصہ کے بعد باہر سے آئے سوگ نہیں کیا کرتی بلکہ اپنے کپڑے صاف کرتی' بناؤ سنگار کرتی ہے' گھر کی صفائی کرتی ہے' عمدہ عمدہ کھانے پکاتی ہے اور یہ سب کچھ اس امید پر کرتی ہے کہ جب میرا خاوند گھر آئے گا تو یہ دیکھ کر خوش ہو گا کہ مکان آراستہ پیراستہ اور ہر چیز قرینہ سے رکھی ہے اسی طرح آج کے دن مومن بھی اسی لئے کہ سمجھتا ہے آج میرا خدا میرے گھر آنے والا ہے' اپنے بدن اور

کپڑوں کی صفائی کرتا اور عمدہ عمدہ کھانے پکاتا ہے۔ وہ آج اپنے لئے نئے کپڑے نہیں پہنتا بلکہ خدا کے لے پہنتا ہے۔ وہ آج کے دن اس لئے خوشی کرتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی ملاقات کا دن ہے جس سے بڑھ کر خوشی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ایک بزرگ کے متعلق مشہور ہے کہ ہمیشہ میلے کپڑے پہنے رہتے تھے یوں تو اسلام کی سنت ہے کہ انسان صاف ستھرا رہے مگر یہ نسبتی امر ہے گویا وہ صفائی کا زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے۔ ان کے پاس ایک نہایت بیش قیمت جوڑا تھا اور ان کے عقید تمند ہمیشہ ان سے پوچھا کرتے تھے یہ آپ نے کس دن کے لئے رکھا ہوا ہے اسے کیوں نہیں پہنتے۔ اس پر وہ یہی جواب دیتے کہ ابھی اس کے پہننے کا وقت نہیں آیا جب وقت آئے گا تب پہنوں گا۔ ایک دن انہوں نے اپنے احباب کو بلایا اور ان سے کہا اب وقت آگیا ہے کہ میں اپنے محبوب کے پاس جاؤں اور یہ چونکہ خوشی کا دن ہے اس لئے جب میں مرجاؤں تو مجھے اچھی طرح غسل دے کر خوشبو لگانا اور یہ بیش قیمت لباس پہنا کر دفن کر دینا۔

پس عید کے دن جو تبدیلی مومن اپنے ظاہری لباس وغیرہ میں کرتا ہے اس کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میرے باطن میں تبدیلی ہو چکی ہے اور میرا مولیٰ میرے گھر آنے لگا ہے اس لئے مجھے خوشی منانی چاہئے اور خوشی کی تمام علامات ظاہر کرنی چاہئیں۔ بظاہر تو یہ ایک ناٹک سا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی آپ یہ خیال کر لیا جائے کہ میں روزے رکھنے کے بعد پاک و صاف ہو گیا ہوں اور آپ ہی یہ سمجھ لیا جائے کہ اب میرا خدا میرے پاس آنے والا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے پنجابی میں ایک ضرب المثل ہے کہ آپے میں نہاتی دھوتی آپے میرے بچے جیون۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ تماشہ نہیں کیونکہ اس کا تعلق باطن سے ہے اور تماشہ صرف ظاہر سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ روحانیت کا معاملہ ہے مادیات کا نہیں۔ خدا تعالیٰ کا آنا فی الحقیقت خیالات کی تبدیلی اور باطن کے تغیرّ سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر تو خدا تعالیٰ مجسم ہوتا اور اس نے چل کر آنا ہوتا تو بے شک اس کی آمد سے قبل ضروری تھا کہ کارڈ یا لفافہ یا کسی اور ذریعہ سے اس کے آنے کی آطلاع آتی۔ پھر ریل یا موٹر کے آنے کی آواز سنائی دیتی۔ پھر وہ ظاہری شان و شوکت کے ساتھ آتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ملاقات دراصل دل کی تبدیلی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ جب کوئی انسان رمضان کے بعد اپنے دل میں تبدیلی محسوس کرے تو پھر اسے حق ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ملنے کی امید رکھے اور اگر انسان واقعہ میں یہ سمجھ لے کہ میرا خدا مجھے ملنے والا ہے تو پھر مل بھی جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ کہ میرا بندہ مجھ سے جیسا گمان کرتا ہے میں اس سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان فیصلہ کر لیتا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے مل گیا اور جب انسان یقینی طور پر یہ سمجھ لے تو ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ ناٹک کا تماشہ کرنے والا دل میں جانتا ہے کہ جو کچھ وہ ظاہر کر رہا ہے حقیقت وہ نہیں مگر مومن کی حالت اس کے الٹ ہوتی ہے وہ جو کچھ کہتا ہے اس کے درست ہونے کا یقین بھی رکھتا ہے۔ حقیقت نہ جاننے والے لوگ اسے پاگل کہہ سکتے ہیں مگر ناٹک والا نہیں کہہ سکتے کیونکہ ناٹک والا جو کچھ کرتا ہے اسے خود بھی محض بناوٹ اور غلط سمجھتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک پاگل جو کچھ کہتا ہے وہ غلط ہوتا ہے اور اس کی کچھ حقیقت نہیں ہوتی لیکن وہ خود اسے غلط اور بے حقیقت نہیں سمجھتا بلکہ اس کے درست ہونے پر یقین رکھتا ہے۔ پس وہ لوگ جو مومن کی باتوں کو اپنی جہالت اور نادانی سے درست نہ سمجھیں وہ اسے پاگل تو کہہ سکتے ہیں ناٹک والا نہیں کہہ سکتے۔ لیکن پھر پاگل اور سچے مومن میں امتیازات بھی مقرر ہیں۔ پاگل انسان کا سارا زور وہم پر ہوتا ہے عمل پر نہیں ہوتا۔ مثلاً بادشاہ کا کام ہے لوگوں میں عدل و انصاف کرنا' امن قائم کرنا' ملکی ترقی کی کوشش کرنا' ملک کو دشمنوں سے محفوظ رکھنا' ملک میں علوم کی اشاعت کرنا۔ اب اگر کوئی شخص کہے میں بادشاہ ہوں اور ساتھ ہی ملک کی حفاظت کرے' علوم کو رائج کرے' رعایا کی بہبودی کے سامان مہیا کرے' لوگوں میں عدل و انصاف اور امن و امان قائم کرے تو کوئی اسے پاگل نہیں کہے گا بلکہ یہی سمجھے گا کہ اگر یہ شخص آج بادشاہ نہیں تو کل ضرور بادشاہ بننے والا ہے کیونکہ مشہور ہے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ ؎ لیکن پاگل منہ سے تو کہے گا میں بادشاہ ہوں مگر کام بادشاہوں والے اس سے سرزد نہیں ہونگے۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرے گا کہ خالی مٹھی بند کر کے کسی کے ہاتھ میں رکھ دے اور کہے یہ لو روپیہ مگر بادشاہ فی الواقعہ لوگوں کو مال دیتا ہے' فساد مٹاتا ہے' صنعت و حرفت کو ترقی دیتا ہے' علوم کو رائج کرتا ہے اور تمدنی حالت کی اصلاح میں کوشاں رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرنے لگے تو ہم سمجھ لیں گے یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر آج نہیں تو کل میں ضرور بادشاہ ہونے والا ہوں۔ اسی طرح جو مومن واقعہ میں یہ یقین رکھتا ہے کہ میرا خدا مجھے ملنے والا ہے وہ اپنے اعمال میں بھی تبدیلی کرے گا' وہ دین کے لئے محبت رکھے گا اور اس کے لئے قربانی کرے گا' علوم کی اشاعت کرے گا' اپنے بھائیوں کے فسادات دور کرے گا کیونکہ لوگ جو کام اپنے آقا کو کرتا دیکھتے ہیں وہی خود کرنے لگ جاتے ہیں اور جو شخص خدا تعالیٰ کو اپنا آقا سمجھے گا

وہ اس کے کاموں کی نقل کرنے کی کوشش کرے گا' لے وہ رحیم بننے کی کوشش کرے گا' وہ رحمان بننے کی کوشش کرے گا' اسی طرح ستار' غفار' شکور' مہیمن' ودود' وہاب بنے گا' لطیف' خبیر بنے گا۔ غرضیکہ خدا تعالیٰ کی تمام صفات کا انعکاس اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ جو شخص اپنے اندر یہ صفات پیدا کرلے گا اسے فی الواقعہ خدا تعالیٰ مل جائے گا اور جس کے اندر یہ صفات پیدا ہو گئے اس کے متعلق پھر کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ نہیں آگیا کیونکہ جب خدا تعالیٰ کا پرتو کسی پر پڑنے لگے تو سمجھو اسے خدا مل گیا۔ عید کا مفہوم دراصل یہی ہے کہ انسان ظاہر کرتا ہے مجھے اپنے خدا پر ایسا اعتماد اور یقین ہے کہ میں سمجھتا ہوں وہ میرے کسی عمل صالح کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا اور ساتھ ہی مجھے اپنے نفس پر اعتماد ہے کہ وہ منافقت سے عمل صالح نہیں کرتا۔ میں نے جو روزے رکھے تھے وہ محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے رکھے تھے۔ اور جب یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں یعنی خدا تعالیٰ پر پورا یقین بھی حاصل ہو جائے اور اعمال صالحہ بھی انسان بجالائے تو اس میں کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ اسے مقصود مل گیا۔ اور جب خدا تعالیٰ انسان کو ملے تو اس کا فرض ہے کہ اس کی شان کے مطابق اس کے آنے کے لئے تیاری کرے اور اس کے استقبال کے لئے تیار ہو۔ پس بادشاہوں کے بادشاہ کے استقبال کے لئے ضروری ہے کہ ظاہری و باطنی صفائی کی جائے اسی وجہ سے مومن کا عید کے روز کپڑے تبدیل کرنا اور مسرت و شادمانی کا اظہار کرنا اس بات کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ یقین رکھتا ہے کہ میرا رب مجھے مل گیا ہے یا ملنے والا ہے۔ اور میں نے بتایا ہے یہ اقرار پاگل کر سکتا ہے یا مومن اور یا پھر منافق ان تینوں کے سوا اور کوئی ایسا اقرار نہیں کر سکتا۔ اب تم میں سے ہر ایک غور کرے کہ وہ ان تینوں میں سے کس گروہ میں شامل ہے۔ اگر واقعہ میں عید کا کوئی مفہوم ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو تمہارے روزے قبول ہو گئے اور اب خدا تعالیٰ تم سے ملنے والا ہے تو ضروری ہے اپنے ظاہر و باطن میں ایسی صفائی کرو کہ خدا تعالیٰ ملنے کے بعد پھر تم سے جدا نہ ہو۔ وہ روزوں کے ذکر میں فرما چکا ہے۔ **وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ** کہ یعنی جو شخص میرے لئے روزہ رکھتا ہے میں اس کے پاس آتا ہوں اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ آنے کا وعدہ کرے اور پھر پہنچ نہ سکے۔ روزہ کا ذکر کر کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ** جب میرا بندہ مجھے ملنے کے لئے پکارتا ہے **فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ**۔ تو میں اسے کہتا ہوں کہ یہ روزے تم ختم کر لو پھر عید کے دن میں تمہارے پاس ہوں۔

تمہارے مجاہدہ میں تھوڑی سی کسر باقی ہے۔ تمہارے یہ روزے دراصل میرا سفر ہیں۔ ان کے ختم ہوتے ہی میں تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ قریب کا مفہوم ہی یہ ہے کہ جب مجاہدہ تکمیل کو پہنچ جائے تو خدا پاس آ جاتا ہے۔ ۸ اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہو جاتا ہے۔ ۹ اور روزوں میں تہجد' صدقہ و خیرات وغیرہ نوافل ادا کرنے کا بہت موقع ملتا ہے اور یہ مجاہدہ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے قریب آنے کا وعدہ فرمایا ہے عید کے دن ختم ہوتا ہے۔ اگر وہ مجاہدہ جس کے بعد عید آئی منافقانہ نہ تھا تو یقیناً خدا تعالیٰ مل گیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ انسان اپنی غفلت کے سبب اسے پھر کھو دے یا حاصل کرنے کی پوری اور مکمل کوشش نہ کرے مگر اسلام نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ سال میں ایک دفعہ ضرور مومن خدا کو مل جاتا ہے۔ بعض لوگ ناسمجھی کی وجہ سے کہا کرتے ہیں ہمیں خدا نہیں ملتا حالانکہ ان کی زندگی میں کئی بار خدا کے ملنے کے مواقع آ چکے ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ایسا سامان کر رکھا ہے کہ اگر انسان صدق دل سے روزے رکھے اور نوافل ادا کرے تو کم از کم ایک دفعہ سال میں وہ ضرور مل جاتا ہے اور اس عید کا منشاء ہی یہ ہے کہ مومن کو خدا مل جائے۔ رسول کریم ﷺ نے اس عید کو کھانے کا دن فرمایا ہے۔ ۱۰ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس دن خوب پیٹ بھر کر کھایا جائے کیونکہ مومن اپنے ایک اندازہ سے زیادہ نہیں کھایا کرتا۔ حدیث میں آتا ہے۔ مومن اگر ایک انتڑی سے کھاتا ہے تو کافر سات انتڑیوں سے کھاتا ہے۔ ۱۱ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کو ایک دفعہ انتڑیوں میں کچھ تکلیف ہو گئی اسہال کی شکایت تھی اس وجہ سے آپ دہی کھایا کرتے تھے۔ اور صبح ہی صبح ادھ رڑ کا پیا کرتے تھے۔ والدہ صاحبہ ۱۲ نے بھینس رکھی ہوئی تھی آپ دہی بھیج دیا کرتی تھیں۔ کبھی میر محمد اسحق صاحب ۱۳ اور کبھی میں لے جاتا تھا۔ دہی سے نفخ پیدا ہوتا ہے اس سے آپ کو ریح پیدا ہو گئی اور ہوا خارج ہونے لگی۔ ایک دفعہ مجھے یاد نہیں میں لے کر گیا تھا یا میر صاحب مگر اس دن آپ نے فرمایا آج سے میں اَدھ رِڑکا نہیں پیوں گا کیونکہ رات کو مجھے الہام ہوا ہے۔ **بَطْنُ الْاَنْبِیَاءِ صَامِتٌ** یعنی انبیاء کا پیٹ خاموش ہوتا ہے اس لئے انبیاء کی صفت سے حصہ لینے کے لئے میں دہی کا استعمال بند کرتا ہوں۔ ۱۴ سو مومن کی غذا ہمیشہ ہی کم ہوتی ہے۔ پس عید کے دن کو کھانے کا دن کہنے سے یہ مراد نہیں کہ اس دن خوب پیٹ بھرو۔ یہ بات سنت انبیاء کے خلاف ہے۔ ۱۵ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس دن مومن یہ سمجھ کر کھاتا ہے کہ میرا خدا

مجھے کھلاتا ہے اور اصل کھانا یہی ہے۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ [16] کے متعلق آتا ہے انہوں نے فرمایا میں کھانا نہیں کھاتا جب تک خدا تعالیٰ مجھے الہام نہیں کرتا کہ اے عبدالقادر تجھے میری ہی ذات کی قسم کھا۔ [17] اسی طرح آپ بہت قیمتی لباس پہنا کرتے تھے۔ لکھا ہے آپ کا ایک ایک جوڑا ہزار دینار یعنی قریباً چودہ ہزار روپیہ کی مالیت کا ہوتا تھا۔ [18] اور آپ اسے بہت جلدی جلدی تبدیل کیا کرتے تھے۔ آپ پر جب اعتراض کیا گیا کہ یہ اسراف ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں تو کوئی کپڑا نہیں پہنتا جب تک میرا خدا مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر تجھے میری ذات کی قسم ایسا کپڑا پہن۔ [19] اور نہیں کھاتا جب تک خدا تعالیٰ نہیں کھلاتا۔ اولیا اللہ تو کبھی بھی خدا کے حکم کے بغیر نہیں کھاتے اور نہیں پہنتے لیکن یہ عید کا دن ایسا ہے جب ہر مومن کو خدا کھلاتا ہے۔ پس عید کے متعلق رسول کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ یہ کھانے پینے کا دن ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اس دن مومن خدا کے حکم سے کھاتا پیتا ہے نہ یہ کہ اس طرح پیٹ بھر کر کھاؤ جس طرح ہندو پانڈے کھاتے ہیں۔ اور اصل کھانا یہی ہے جو خدا کے حکم سے کھایا جائے۔ اگر خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا کہ عید کے دن بھی روزہ رکھو تو ہم رکھتے۔ اگر اس کا حکم ہوتا کہ بیماری اور سفر میں بھی روزہ رکھو تو ہم اس حالت میں بھی روزہ رکھتے اور اگر وہ حکم دیتا کہ رمضان کے بعد بھی روزے رکھتے جاؤ تو ہم اس کی بھی تعمیل کرتے۔ مگر خدا تعالیٰ نے عید کے دن کھانے پینے کا حکم دیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو عید کے دن روزہ رکھتا ہے وہ شیطان ہے۔ [20] اس کی یہی وجہ ہے کہ یہ وہ دن ہے جب خدا تعالیٰ اپنے بندہ سے کہتا ہے آج تو میرے لئے کھا اور پی۔ پس چاہے انسان ایک لقمہ ہی کھائے یا ایک گھونٹ ہی پانی پیئے اصل کھانا پینا یہی ہے جو خدا کے حکم کے ماتحت کھایا گیا اس لئے آج لباس تبدیل کرنا دین ہے' آج کھانا پینا دین ہے' آج جسم کی صفائی کرنا دین ہے' آج میاں بیوی کا تعلق دین ہے اور یہ دین کیا ہی خوش کن دین ہے کہ جس میں ظاہری لذات بھی عبادات بن گئیں۔ ہر ایک انسان کا یہ مقام نہیں ہوتا کہ ہمیشہ کے لئے اپنے اوپر یہ حالت طاری رکھے۔ صرف کامل اولیاء اللہ کو ہی یہ مقام حاصل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے کسی بندہ کو بھی اس درجہ سے محروم نہیں رکھنا چاہتا اس لئے اس نے چاہا کہ میرے تمام بندے کم از کم ایک دن تو یہ مقام حاصل کرلیں اس کے لئے اس نے فرمایا میرا حکم ہے کہ اس دن کھایا پیا جائے۔ اس سے انکار گناہ ہے جس طرح ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا۔ [21] تو شیطان بن گیا اسی طرح آج کے دن جو نہ کھائے پیئے گا وہ

بھی شیطان ہو گا۔

پس یہ دن ہمارے لئے کیوں عید نہ ہو جب کہ خدا تعالیٰ ہمیں مل جاتا ہے اور اس کے ملنے کا ظاہری ثبوت یہ ہے کہ وہ کہتا ہے اے میرے بندے آج میری خاطر کھا۔ اگر آج کا کھانا پینا خدا تعالیٰ کے حکم سے نہیں تو پھر آج روزہ رکھنے سے انسان شیطان کیوں بن جاتا ہے۔ شیطان اسی وقت بن سکتا ہے جب کہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرے۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ ابلیس کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ **مَا مَنَعَکَ اَلاَّ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ** ۲۲؎ الخ۔ یعنی کس چیز نے تجھے آدم کو سجدہ کرنے سے روکا جب میں نے حکم دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ ابلیس نے خدا تعالیٰ کے حکم کو رد کیا۔ اس لئے شیطان بن گیا۔ گویا جو خدا تعالیٰ کے حکم کو رد کرتا ہے وہ شیطان ہو جاتا ہے۔ پس آج انسان نماز چھوڑنے سے شیطان نہیں بنتا، حج نہ کرنے سے شیطان نہیں بنتا، زکوٰۃ نہ دینے سے شیطان نہیں بنتا، روزہ ترک کرنے سے شیطان نہیں بنتا بلکہ آج جس چیز سے وہ شیطان بنتا ہے وہ یہ ہے کہ کھانا نہ کھائے اور پانی نہ پیئے کیونکہ آج کے دن کے لئے یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور جب انسان کی لذات میں خدا تعالیٰ داخل ہو جائے تو یہی مقام ولایت ہے۔ ولی اور دوست کی کیا علامت ہوتی ہے یہ کہ اس کی دعوت کی جائے اور آج ہر مومن کی خدا تعالیٰ کی طرف سے دعوت ہے۔ آج ہمارے گھروں میں جو کھانا پکتا ہے اور جو پانی ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے بطور دعوت آیا ہے۔ پھر ولی وہ ہوتا ہے جس کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا جاگنا سب خدا کے لئے ہو۔ ۲۳؎ اور آج ہر ایک مومن کے خواہ اسے ولایت کا بلند مقام حاصل ہے یا نہیں یہ تمام افعال خدا کے لئے ہیں۔ آج کے دن وہ خدا تعالیٰ سے بطور دعوت کھاتا اور پیتا ہے اور اس کا ہر فعل اخلاق فاضلہ ہی نہیں، نماز اور تلاوت قرآن کریم ہی نہیں، بلکہ کھانا پینا اور پہننا بھی عبادت ہے۔ وہ آج خدا کا مہمان ہے۔ آج خدا اسے مل گیا۔ آج جو کپڑے وہ پہنتا ہے وہ اسی خوشی میں پہنتا ہے کہ اس کا خدا اسے مل گیا۔ آج جو کچھ کھاتا پیتا ہے وہ اسی خوشی میں کہ خدا نے اسے کھانے اور پینے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہندوؤں کے کسی نبی نے بھی ایسی ہی کوئی بات کہی ہو گی جسے غلط طور پر سمجھنے کی وجہ سے ان میں پانڈے بن گئے ہیں۔ ۲۴؎ اسلام تو ہر بات کے متعلق تفصیل سے بیان کرتا ہے مگر پرانے مذاہب میں صرف اشارے ہی ہوتے تھے۔ ہندوؤں میں برہمن کو کھلانا بہت ثواب سمجھا جاتا ہے۔ ۲۵؎ شرادھ ۲۶؎ کے دنوں میں امراء انہیں خوب کھلاتے ہیں جب وہ خوب کھا

چکیں تو پھران کے لئے انعام مقرر کرتے ہیں مثلاً یہ کہ جتنے لڈو کوئی کھائے اتنے ہی روپے دیئے جاتے ہیں۔ پھرفی لڈو دو روپیہ تین روپیہ دینے لگ جاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی کئی کئی مہینے قبل زیادہ کھانے کی مشق شروع کر دیتے ہیں۔ ان میں زیادہ شریف خاندان وہی سمجھا جاتا ہے جس میں زیادہ حادثات ایسے ہو چکے ہوں کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے موت واقع ہو چکی ہو۔

ایک قصہ مشہور ہے کہتے ہیں ایک برہمنی ساس نے اپنی بہو سے کہا تیرا خاوند اور خُسر آئیں گے اور زیادہ کھانے کی وجہ سے وہ بیٹھ نہیں سکیں گے اس لئے ان کے آنے سے قبل بستر بچھا دو تاکہ وہ آتے ہی لیٹ جائیں۔ اتنا سننا تھا کہ بہو چیخیں مار کر رونے لگ گئی اور بددعائیں دینی شروع کر دیں کہ پرمیشور میرے ماں باپ کا بیڑا غرق کرے انہوں نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ساس بہتیرا چُپ کراتی اور رونے کا سبب دریافت کرتی مگر وہ زیادہ سے زیادہ شور مچاتی جاتی۔ ساس ہاتھ جوڑتی' پاؤں پڑتی اور دریافت کرتی کہ آخر میں نے کیا کہا جو تم اس طرح رو رہی ہو مگر وہ برابر روتی جاتی اور کوئی جواب نہ دیتی حتّٰی کہ شور سن کر محلّہ کے لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے اور انہوں نے بھی رونے کی وجہ پوچھنی شروع کی۔ بہت اصرار کے بعد اس نے بتایا کہ میری قسمت تو برباد ہو گئی کہ میں ایسے کمینے خاندان میں بیاہی گئی جس کے افراد شرادھ کھانے کے بعد پیدل چل کر گھر آجاتے ہیں۔ ہمارے خاندان کے آدمی تو کھانے کے بعد چل ہی نہیں سکتے اور ڈولیوں میں پڑ کر آتے ہیں۔ اگرچہ ہندوؤں میں شرادھوں کی یہ حالت ہو گئی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے یہ درحقیقت اسی نکتہ سے نکلے ہیں اور ان کا بھی کسی زمانہ میں وہی مفہوم تھا جو ہماری عید کے دن کھانے کا ہے کہ چونکہ اس دن کھانے پینے کا حکم خدا نے دیا ہے اس لئے اصل کھانا اسی دن کا ہے۔ مگر لوگوں کی ناسمجھی سے اب یہ ایک عجیب سی رسم بن گئی ہے۔ دراصل حکم یہی ہو گا کہ خدا کے لئے کھاؤ لیکن جس طرح بیوقوف ملانوں نے عید کا یہ مفہوم سمجھ لیا کہ اتنا کھانا کھانا چاہئے کہ یا تخمہ ہو جائے یا ہیضہ۔ اسی طرح پنڈتوں نے بھی غلط سمجھ لیا۔ دراصل شرادھ کا مطلب بھی یہی ہو گا۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ یہ کھانے کا دن ہے یہی مطلب ہے کہ آج انسان خدا کے لئے کھاتا پیتا ہے یہ نہیں کہ اتنا کھاؤ کہ بدہضمی کی ڈکاریں آنی شروع ہو جائیں اور عارف لوگ تو ایسے خوشی کے موقع پر اپنی مقدار کے لحاظ سے بھی کم کھاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہو رہا ہوتا ہے اور ان کا خیال اس طرف لگا ہوتا ہے کھانے کی طرف ان

کا ذہن کہاں جاتا ہے۔ حضرت مظہر جان جاناں دہلی کے ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں ان کے متعلق لکھا ہے ایک دن کوئی شخص ان کے پاس بالائی کے لڈو لایا۔ دہلی میں بالائی کے لڈو خاص طور پر بنتے ہیں جو بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ انہوں نے ان میں سے دو لڈو اپنے ایک شاگرد کو دیئے کہ کھالو۔ تھوڑی دیر کے بعد پوچھا میاں لڈو کھالیئے۔ اس نے کہا وہ تو میں نے اسی وقت کھالئے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا دونوں کھا گئے۔ اس نے کہا وہ دونوں تھے ہی کتنے بڑے میں نے تو اسی وقت کھالئے۔ ان کی مقدار ہی کتنی ہوتی ہے۔ بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ دو لڈو ایک ہی دفعہ منہ میں ڈالے جاسکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تمہیں لڈو کھانے نہیں آتے۔ اس نے کہا پھر آپ سکھادیجئے۔ انہوں نے کہا پھر کبھی لڈو آئے تو یاد دلانا تمہیں لڈو کھانے سکھاؤں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر لڈو آئے اور اس نے کہا حضور اب سکھایئے۔ آپ نے ایک رومال بچھایا۔ ایک لڈو اس پر رکھ کر اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑا اور شاگرد سے کہا۔ کیا تم نے کبھی سوچا کہ یہ لڈو کن چیزوں سے بنتا ہے۔ اس میں گھی استعمال ہوتا ہے' شکر ڈالی جاتی ہے اور پھر دوسرے اجزاء کے نام لئے اور پھر پوچھا۔ تمہیں معلوم ہے شکر کس طرح تیار ہوتی ہے؟ ہزاروں لوگ اس کام پر لگے ہوتے ہیں۔ اس کے لئے پہلی چیز زمین ہے۔ جس میں نیشکو بویا جائے۔ بھلا انسان اسے پیدا کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ پھر اگر زمین بھی ہوتی مگر اس میں نیشکو نہ پیدا ہو سکتا تو انسان کیا کر سکتا۔ مگر خدا نے زمین میں یہ خاصیت رکھی کہ اس میں نیشکو پیدا ہو اور اس لئے رکھی کہ تا مظہر جان جاناں لڈو کھائے۔ لڈو تو آج میں کھا رہا ہوں مگر اس کی تیاری میں ایک عرصہ سے کئی لوگ لگے ہوئے تھے۔ ایک زمیندار گنا بونے کے لئے راتوں کو جاگتا رہا' پہلے اس نے زمین میں قلبہ رانی کی' پھر اس میں بیج ڈالا' پھر اس کی آبپاشی کرتا رہا اس نے یہ ساری مصیبتیں اس لئے جھیلیں کہ تا مظہر جان جاناں لڈو کھا سکے۔ اسی طرح لڈو کے دوسرے اجزاء کے متعلق بیان کرتے رہے کہ اتنے میں کسی نے آکر کہا عصر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس پر آپ لڈو وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ۲؎ آخر وہ روز تو اس طرح نہ کھا سکتے تھے یہ تو سبق سکھایا ہے اور یوں تو اولیاء اللہ کا ہر کام ہی خدا تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے اور وہ ہر وقت ہی اس کے احسانات یاد رکھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کھانا کھاتے وقت انگلیوں سے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے توڑتے جاتے تھے کوئی ٹکڑہ منہ میں بھی ڈال لیتے تھے گویا یوں

معلوم ہوتا تھا کہ آپ دیکھتے ہیں ان میں سے حلال کونسا ریزہ ہے اور حرام کونسا اور ساتھ ہی ساتھ سبحان اللہ ' سبحان اللہ کہتے جاتے۔ اصل بات یہی ہے کہ اولیاء اللہ کا ہر کام ہر وقت خدا تعالیٰ کے لئے ہی ہوتا ہے اور ان کے لئے ہر وقت ہی عید ہوتی ہے۔ مگر اکثر بندے چونکہ غافل ہوتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے ایسا انتظام کر دیا کہ کچھ دن مجاہدہ کے رکھ دیئے اور پھر کہا۔ آج تمہارے اس مجاہدہ کی تکمیل میں تمہاری خوشی میں ہم بھی خوشی مناتے ہیں۔ پس یہ عید ہے مومن کی اور اس کی حقیقی غرض یہی ہے کہ مومن یقین کرلیتا ہے کہ آج مجھے خدا مل گیا ہے اور آج میں جو کھانا کھاتا ہوں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دعوت ہے۔ اور غور کرو ایسا طیب کھانا کھانے سے جو خدا تعالیٰ کھلائے کس قدر طیب خون پیدا ہوگا اور پھر اس سے کتنے بلند حوصلہ اور امنگیں پیدا ہوں گی۔ لوگ کہا کرتے ہیں یتیم بچے کو خواہ کتنی مرغّن اغذیہ کھلائی جائیں وہ اس طرح نہیں پنپ سکتا جس طرح ماں کے ہاتھ سے سوکھی روٹی کھانے والا۔ گویا ماں کے ہاتھ سے جو سوکھی روٹی کھائے اس میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ پھر غور کرو۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی خوراک میں کس قدر قوت ہوگی۔ مگر اکثر لوگ اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس طاقت کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اور ان کی مثال ایسی ہی ہوتی ہے جیسے خدا تعالیٰ رات کو بارش تو کر دے مگر زمیندار گھر میں سویا رہے اور اس کے کھیت سے پانی نکل کر بہہ جائے۔ پس اس نکتہ کو نہ سمجھ کر کہ آج کے دن خدا تعالیٰ کھلاتا ہے لوگ اپنی غفلت سے اس طاقت کو ضائع کر دیتے ہیں جو انہیں حاصل ہونی چاہئے۔ لیکن اگر وہ اسے سمجھ کر اس طاقت کو اپنے اندر جمع کرلیں تو ان کے اندر بجلی کا ایسا خزانہ جمع ہو جائے جو سارا سال کام دے اور اگلے سال پھر اور مل جائے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز ضرورت اور حکمت کے مطابق دی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ [۲۸] پس عید کے دن جو طاقت خدا تعالیٰ انسان کو دیتا ہے وہ اس کی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اسے اپنے اندر جمع رکھے۔ ہر شخص اپنے درجہ اور شان کے مطابق اپنے شاگردسے امید رکھتا ہے۔ اور جسے خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے کھلائے پلائے اس سے کیسے بہادری اور جاں نثاری کے کاموں کی امید ہونی چاہئے۔ بڑے بڑے پہلوان اپنے شاگردوں سے اپنے ہی جیسے کارناموں کی توقع رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں جسے ہم نے ورزش کرائی ہے کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہمارے برابر کا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ثانی تو کوئی نہیں ہو سکتا مگر اس

کے مظہر ہوتے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ آج کے دن جسے خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے کھلاتا ہے وہ ضرور اس کا مظہر بنے اور سارا سال اس سے اس کی صفات کا اظہار ہوتا رہے۔ بے شک خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے کھانا بہت بڑی نعمت ہے مگر اس کی شان کے مطابق ہی پھر قربانی بھی کرنی ضروری ہے۔ پرانے زمانے میں قاعدہ تھا کہ بادشاہ جن امراء پر اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے تھے انہیں اپنے دسترخوان سے کچھ بھجوا دیتے۔ اسے اُلش کہا جاتا تھا۔ پھر اس عزت افزائی کے بدلہ میں امراء بھی اپنی شان اور حیثیت کے مطابق قربانی کرتے تھے۔ کوئی لاکھ' کوئی دو لاکھ' کوئی دس لاکھ یا جتنی کسی کی توفیق ہوتی' صدقہ دیتا۔[۲۹] اس کے معنی یہ ہوتے تھے کہ وہ بادشاہ کے انعام کی قدر کرتا ہے۔ جب بادشاہوں کی خوشنودی کے لئے لاکھوں کی قربانی کی جاتی تھی تو آج جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے الش آیا اگر اس کے بدلہ میں اس کی جان بھی چلی جائے تو اس انعام کے مقابل میں یہ قربانی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ براہمن تو اس موقع پر بیوقوفی سے جانیں قربان کر دیتے ہیں مگر ہم اس کے فوائد' انعامات' اس کی غرض و غایت اور حکمتوں کو سمجھتے ہوئے اس سے دریغ کریں۔ ہمیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ ہم عہد کریں۔ اے خدا تیرے جیسی بلند و بالا ہستی جب ہمارے جیسے ذلیل و حقیر بندہ کو کھلاتی ہے تو پھر ہم بھی تیری خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور اگر واقعہ میں ہم یہ نیت کرلیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ضعف نہیں پہنچا سکتی کیونکہ جو خدا کی قربانی کا بکرا بن جائے کسی انسان کی طاقت ہے کہ اس پر چھری چلا سکے؟ پس جو خدا کی قربانی ہے وہ سارے انسانوں کی چھُریوں سے محفوظ ہو گیا۔ اس کے لئے نئی زندگی ہے جسے کوئی برباد نہیں کر سکتا۔ پس میں سمجھتا ہوں اگر ہر مومن عید کی اغراض کو مدنظر رکھے تو بہت فوائد حاصل کر سکتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اس شاہی نعمت اور عزت افزائی کو سمجھ سکیں اور پھر اس کی قدر بھی کر سکیں۔ باقی دنیا بھی کھاتی پیتی ہے اور اگر ہم مومن نہ ہوتے تب بھی کھاتے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ جو کام ہم نے اپنی مرضی سے کرنا تھا وہ کہتا ہے آج اسے میری خاطر کرو۔ یہ کتنا بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس کے اس احسان کی قدر جانیں اور اس نعمت کے بدلہ میں بادشاہی الشوں سے بہت بڑھ چڑھ کر قربانی کر سکیں۔ (الفضل ۲۸۔ فروری ۱۹۳۱ء)

---

[۲۹] متی باب ۹ آیت ۱۰ تا ۱۵

۲ جامع ترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی کراھیة الصوم یوم الفطر و یوم النحر۔ صحیح بخاری کتاب الصوم باب صوم یوم الفطر

۳ صحیح بخاری کتاب الصوم باب فضل الصوم

۴ جامع ترمذی ابواب الزہد باب فی حسن الظن باللّٰہ تعالی۔ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللّٰہ تعالی یریدون ان یبدلوا کلام اللہ انہ لقول الفصل

۵ فرہنگ آصفیہ جلد ۴ صفحہ ۱۷۶۱ زیر لفظ ہونہار

۶ البقرة : ۱۳۹۔ ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۔۱۳۳ و ۱۳۷' جلد ۵ صفحہ ۴۲۸ (تخلقوا باخلاق اللّٰہ)

۷ البقرة :۱۸۷

۸ العنکبوت:۷۰' الانشقاق:۷' ملفوظات جلد ا صفحہ ۳۶۳ و جلد ۲ صفحہ ۳۱۰

۹ صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع

۱۰ صحیح بخاری کتاب العیدین باب الاکل یوم النحر

۱۱ صحیح بخاری کتاب الاطعمة باب المومن یاکل فی معی واحدٍ

۱۲ حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم (۱۸۲۲ء۔ ۱۹۵۲ء)

۱۳ حضور کے ماموں اور رضاعی بھائی (۱۸۹۰ء۔ ۱۹۴۴ء)

۱۴ مرقاۃ الیقین صفحہ ۲۶۲ ناشر الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ۔ ربوہ

۱۵ سیرت المہدی جلد ۳ صفحہ ۹۰

۱۶ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ۱۰۷۷ء۔ ۱۱۶۶ء

۱۷ سفینۃ الاولیاء مصنفہ داراشکوہ صفحہ ۷۴ اردو نفیس اکیڈمی کراچی

۱۸ نزھة الخواطر فی مناقب شیخ عبدالقادر مصنفہ ملا علی قاری مترجمہ علامہ اقبال احمد فاروقی صفحہ ۷۴ میں بیان ہوا ہے کہ آپ نہایت قیمتی کپڑا زیب تن فرماتے۔

۱۹ سفینۃ الاولیاء مصنفہ داراشکوہ صفحہ ۷۴

۲۰

۲۱ البقرۃ:۳۵ ۲۲ الاعراف:۱۳ ۲۳ الانعام:۱۶۳

۲۴ آدرش ہندی شبد کوش زیر لفظ پانڈے۔

۲۵ انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۲ صفحہ ۷۹۷، منو سمرتی ادھیائے ۳۔ اشلوک ۱۲۵ تا ۲۷۲

۲۶ ہندوؤں میں مُردوں کو خوراک پہنچانے کے لئے برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اسے شرادھ کہا جاتا ہے۔ (فرہنگ آصفیہ جلد ۳ صفحہ ۶۲ زیر لفظ سرادھ)

۲۷ مرزا مظہر جان جاناں ۱۱۱۰ھ - ۱۶۹۸ء۔ شہادت ۱۱۹۵ھ - ۱۷۸۱ء

۲۸ الحجر:۲۲

۲۹ فرہنگ آصفیہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ لاہور مئی ۱۹۰۸ء زیر لفظ اُلش۔